تلخیص و ترجمہ

عربی تہذیب کی فضیلت تہذیب جدید پر

(۲)

فاطمین کی حکومت کا نمایاں امتیاز یہ ہے کہ اُنہوں نے سنگ تراشی اور خصوصاً انسانی مجسموں کے بنانے پر کچھ زیادہ تشدد کا اظہار نہیں۔ بلکہ اس معاملہ میں اغماض و تسامح سے کام لیا، ایک وزیر نے تو یہاں تک جرأت کی کہ اُس نے اپنے محل کی دیواروں پر ایک رقاصہ لڑکی کا مجسمہ بنوایا۔ یورپ کے عجائب خانے فاطمی آثار سے بھرے ہوئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو فن سنگتراشی اور نقش نگاری سے کس درجہ دلچسپی تھی۔ اس شوق نے بنو فاطمہ کے مذہبی تعصب و تقشف کو بہت ہلکا کر دیا اور یہ عیش و عشرت کی طرف زیادہ مائل ہو گئے۔ اس میں شبہ نہیں ان خلفاء کے محلات عجیب و غریب فنی نمونوں سے پُر تھے اور اس حکومت کے آخری خلیفہ مستنصر کے محل کے جو فنی نمونے ترکی لشکر کے ہاتھ لگے اور جو یورپ کے عجائب خانوں میں محفوظ ہیں، اُن سے فاطمین کی مادّی اور فنی ثروت پر روشنی پڑتی ہے۔

ترکی لشکر نے خلیفہ کے محل کی تمام قیمتی چیزوں پر جن میں ایک سو کیلوگرام کے وزن کے قیمتی پتھر، شیشے، اور سونے کے برتن، سونے، چاندی اور ہاتھی دانت کے سامان شامل تھے قبضہ کر لیا۔ ان کے علاوہ ایک خاص تکیہ تھا جس میں سونا بھرا ہوا تھا اور جس پر خلیفہ سر رکھ کر سوتا تھا، وہ بھی اس فوج نے ہتیا لیا اور بعد میں فروخت کر دیا۔ اور وہ تمام قیمتی تحفے

جو مختلف اوقات سلاطین روم کی طرف سے خلفاء کو ملتے رہتے تھے۔ اُن پر قبضہ کرکے آپس میں تقسیم کرلیا۔ ان کے علاوہ خلفاء کے محلات سے جو نادر چیزیں برآمد ہوئیں اُن میں اشیاء ذیل خصوصیت کے ساتھ ذکر کے قابل ہیں:۔ فولادی آئینے، شطرنج کی بساط جو ریشم سے ڈھکی ہوئی تھی اور جس پر سونے کا کام ہو رہا تھا، شطرنج کے مہرے جو سونے چاندی، ہاتھی دانت اور آبنوس کے بنے ہوئے تھے، نرگس اور پارہ کے پھول، جو مصنوعی طور پر خالص سونے اور بیش قیمت جواہرات کے ٹکڑوں سے جوڑ کر بنائے تھے، ان سب سے زیادہ قیمتی خلیفہ کا عمامہ تھا جس میں آٹھ کیلو گرام کے وزن کے قیمتی جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔

خلیفہ کے محل میں ایک مور بھی تھا جو خالص سونے سے بنایا گیا تھا۔ اور اُس کی آنکھیں نہایت صاف و شفاف یاقوت کی، اور اُس کے پر مختلف جواہرات کے تھے۔ اس مصنوعی طاؤس کی طرح محل میں ایک ہرن بھی تھا جو خالص سونے کا بنا ہوا تھا، اور جس کی گردن بیش قیمت موتیوں کے ہاروں سے چھپی ہوئی تھی۔ اسی نوع کا ایک درخت تھا جو زر خالص سے بنایا گیا تھا اور جس کی ٹہنیاں قیمتی جواہرات کی تھیں۔ خاص خلیفہ کی تفریح کے لیے آرائشی کشتیاں تھیں جن کو وہ دریائے نیل میں تفریحاً استعمال کرتا تھا۔ محل کا سب سے بڑا کمرہ نہایت آراستہ تھا اس میں ایرانی بیش قیمت قالین بچھے ہوئے تھے اور عجیب بات یہ ہے کہ ان قالینوں پر دنیا کا جغرافیائی نقشہ بنا ہوا تھا۔ اس کمرہ کی دیواروں پر نہایت بیش قیمت ریشمیں پردے لٹک رہے تھے جن پر سونے کی منبت کاری کے ذریعہ ایک باغ بنا ہوا تھا، اور اُس میں کئی ہاتھی دکھائے گئے تھے۔

فاتح لشکر نے محلات کی ان قیمتی اور نادرہ روزگار چیزوں کو ہی نہیں لوٹا بلکہ خلفاء کے عجائب خانوں میں جو تاریخی یادگاریں محفوظ تھیں اُن کو بھی برباد کردیا۔ ان تاریخی یادگاروں میں

حضرت امام حسینؓ اور حضرت امیر حمزہ کی زرہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تلوار جس کو ذوالفقار کہا جاتا ہے، خاص طور پر لائق ذکر ہیں، اور وہاں خلیفہ کے لیے ایک خاص قسم کا ریشمی خیمہ بھی تھا جس پر سونے کا کام ہو رہا تھا، اس کی قیمت تیس ہزار دینار بتائی جاتی ہے۔ یہ خیمہ جب قائم کیا جاتا تھا تو زمین سے ۶۵ ہاتھ اونچا ہوتا تھا، اور وہ سو اونٹوں پر لادا جاتا تھا۔

مصر بنو فاطمہ کے زمانہ میں فاطمیوں نے اجتماعی زندگی کے مادی رُخ پر ہی زیادہ زور نہیں دیا۔ بلکہ علمی معیار کے بلند کرنے میں بھی اُنہوں نے شاندار کوششیں کیں، چنانچہ خلیفہ الحاکم بامراللہ نے ۳۹۵ھ میں شہر قاہرہ میں ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی تاکہ علماء امامیہ نے جو کچھ لکھا ہے اُس کا درس دیا جائے۔ اس فرقہ کی کتابوں کے علاوہ دارالعلوم میں علم کلام، عروض، قانون، طب، اور فلکیات کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ دارالعلوم کے کام میں مدد دینے کے لیے الحاکم بامراللہ نے قاہرہ میں ایک شاندار کتب خانہ بھی قائم کیا تھا جس میں دنیا بھر کی نادر نادر تصنیفات جمع تھیں مصر کے طلباء کے لیے یہ کتب خانہ کعبہ کا حکم رکھتا تھا۔ اور دوسرے اسلامی ممالک کے طلبہ بھی یہاں آکر استفادہ کرتے تھے۔ خلیفہ مدرسہ کے اساتذہ کو اپنے محل میں بلا کر بھی ان سے مذاکرہ علمیہ کرتا تھا، اور جب یہ لوگ یہاں سے واپس جاتے تھے تو ان کے دامن شاہانہ عطیات سے پُر ہوتے تھے۔

فاطمی خلفاء نے مصر کا مقام تمام اسلامی شہروں میں اتنا اونچا کر دیا تھا کہ بحر متوسط میں اس کا بیڑا ہی سب سے ممتاز اور نمایاں تھا۔ ابن طولون کا بحری بیڑہ سو کشتیوں پر مشتمل تھا۔ لیکن بڑھتے بڑھتے یہی اتنا بڑھ گیا کہ معزؔ کے زمانہ میں اس میں چھ سو بڑی بڑی کشتیاں شامل تھیں جو سمندروں میں بے خوف و خطر چلتی، شہروں کا کھوج لگاتی اور مشرق کی تجارت کو مغرب کی طرف منتقل کرتی تھیں۔ اس زبردست بحری بیڑے کی وجہ سے ہی خلیفہ مصر کو

بحرروم میں خلیفۂ قرطبہ (اندلس) کے ساتھ جنگ کرنے کا حوصلہ ہوا۔ معز کے عہد سلطنت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اُس نے مذہب و ملت کی تفریق کے بغیر تمام رعایا کے ساتھ یکساں سلوک کیا، یہاں تک کہ سرکاری عہدے اور منصب بھی غیرمسلموں کو فیاضی کے ساتھ دیے جاتے تھے۔ چنانچہ اُس کا وزیر ایک یہودی تھا۔ اس نے روم، ایران، اور قبط کے ارباب فن کو اپنے دربار میں جمع کر لیا تھا جس کی وجہ سے مسلموں اور غیرمسلموں میں دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے۔

اس میں شک نہیں فاطمی خلفاء کی اس غیرمعمولی ترقی نے یورپ کی اجتماعی زندگی کو بہت زیادہ متاثر کیا، اور یہ کیونکر نہ ہوتا جبکہ اسلامی تجارتی بیڑوں کی مدد سے اسلامی ممالک کی خاص خاص مصنوعات یورپ پہنچ رہی تھیں۔ کیونکہ تجارتی تعلقات تمدن کے سب سے قوی دواعی میں سے ہیں۔

عرب کو جو اقتدار بحر متوسط میں حاصل تھا اُس نے صرف اس کے ساحلوں کو ہی متاثر نہیں کیا، بلکہ جو بڑے بڑے اہم جزیرے اس میں واقع تھے وہ بھی عربوں کے اقتدار سے اثر پذیر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ نویں صدی سے گیارہویں صدی تک تقریباً دو سو برس تک جزیرۂ مالٹا پر عربوں کے اقتدار کا پرچم لہراتا رہا، اور اب بھی مالٹا کی زبان کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں عربی زبان کے الفاظ کثرت سے ملیں گے۔ اسی طرح جزیرۂ سارڈینیا اور جزیرۂ سسلی پر دسویں صدی کے اواخر تک عربوں کا اقتدار رہا۔ سسلی کے محلات اور دوسری عمارتوں میں بھی اندلسی فن تعمیر کی خصوصیات بہت نمایاں ہیں۔

عربوں نے اپنے علوم و فنون سے یورپ کی دنیا کو مسلسل دو صدیوں یعنی دسویں اور گیارہویں صدی تک سیراب کیا۔ یہاں تک کہ فرانس کا پاپا سلفسٹر ثانی اپنی تعلیم میں سربسر عرب اساتذہ کا اور اسلامی تصنیفات کا مرہون احسان تھا۔ سسلی کے بادشاہوں نے بھی اپنے محلات

کے دروازے مسلمانوں کے لیے کھول رکھے تھے۔ تاکہ وہ اسلامی علوم وفنون سے بہرہ اندوز ہو سکیں
تاریخ کا یہ ناقابل انکار واقعہ ہے کہ رودجر ثانی نے ادریسی کو جو عرب علماء میں بہت وسیع شہرت کا
مالک تھا، اپنے یہاں بلوایا اور اُس کی تعظیم وتکریم کا حق اس طرح ادا کیا کہ اُسے اپنے ذاتی محل میں ٹھہرایا
سسلی میں عربی کلچر فریڈرک ثانی جس طرح سیاسی اعتبار سے سسلی کا عظیم ترین بادشاہ سمجھا جاتا ہے
اسی طرح اُسے علم وفن کی مہارت میں بھی اہل سسلی سے نمایاں امتیاز حاصل ہے لیکن یہ واضح رہنا
چاہیے کہ اُس کا یہ علمی تبحر محض علوم عربیہ اور فلسفۂ اسلام کے عمیق مطالعہ کا نتیجہ تھا۔ فریڈرک کو
اسلامی وعربی علوم سے اس درجہ شغف تھا کہ اس کے اہل ملک اُسے مسیحیت سے مرتد ہو کر اسلام
کا حلقہ بگوش سمجھنے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب فریڈرک صلیبی لڑائیوں میں عیسائیوں کی مدد کے لیے
بیت المقدس گیا تو اُس نے وہاں پہنچ کر خونریزی نہیں کی بلکہ سلطان صلاح الدین کے بھتیجے
کے ساتھ دوستی کا عہد وپیمان کرلیا، اور بیت المقدس میں جو بڑے بڑے مسلمان علماء تھے اُن
کو اپنے حلقۂ احباب میں شامل کرلیا۔

شہنشاہ فریڈرک کو اسلامی علوم وفنون اور عربی زبان وادب کے ساتھ جو قلبی لگاؤ
تھا اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یہ عربی زبان نہایت اچھی بولتا تھا، اور سوائے اس
کے کسی اور زبان میں گفتگو ہی نہیں کرتا تھا۔ لباس بھی عربی پہنتا تھا، اور اپنی ملکی وقومی عادات
کو ترک کر کے عربوں کے ہی اطوار وخصائل کو اختیار کرلیا تھا۔ اُس نے مشہور عربی فلاسفر
ابن سبعین کو عربی زبان میں کئی طویل خطوط بھی لکھے ہیں جن میں اُس کے متعدد مابعد الطبیعاتی
افکار وآرا پر مناقشہ کیا ہے۔ اس نے اپنے ذوق کی تکمیل کے لیے اٹلی میں نیپلز کی یونیورسٹی
قائم کی، تاکہ علوم عربیہ کے چشمہ کا کام دے۔ اس کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ اُس نے میکائیل
سکوٹ نامی ایک عالم کو طلیطلہ اس غرض سے روانہ کیا کہ وہ ارسطو کی کتابوں پر ابن رشد کے

لکھے ہوئے حواشی کو اطالوی زبان میں منتقل کرکے لائے خود اپنی یونیورسٹی کے علاوہ وہ سیلارنو اور اور بولوناکی یونیورسٹیوں کو بھی جن میں عربی طبی علوم پڑھائے جاتے تھے بھاری رقوم سے مدد دیتا تھا

غرض یہ ہے کہ اس طرح عربی کلچر تمام یورپین شہروں میں پھیل گیا، اور علوم عربیہ نے یورپ کی سب یونیورسٹیوں پر اپنا قبضہ جمالیا۔ ایک طرف اسلامی علوم یورپ پر اپنا نفوذ واقتدار قائم کررہے تھے، دوسری جانب ریشم اور شیشہ کی مصنوعات اسلامی تجارت کی راہ سے اطالوی شہروں کے تمام بازاروں میں رائج ہوگئیں۔ کوئی اطالوی بندرگاہ ایسی نہیں تھی جہاں ایک مخصوص کاروانسرائے عرب تاجروں اور اسلامی شہروں سے آنے والوں سے پُر نہ ہو۔ عربی کلچر کا اثر اب بھی اُن فرانسیسی علاقوں میں دیکھا جاسکتا ہے جو اسپین کے پڑوس میں واقع ہیں، یہ صحیح ہے کہ شارل مارٹل عربوں کو پرینیز کے پہاڑوں سے آگے بڑھنے سے روکنے میں کامیاب ہوگیا، لیکن وہ عربی کلچر کے اثر ونفوذ کو فرانسیسی شہروں میں داخل ہونے سے باز نہیں رکھ سکا۔ انتہا یہ ہے کہ ان علاقوں کے گانوں اور گیتوں میں اب تک عربی کے پرانے الحان کی آمیزش پائی جاتی ہے

اس بحث کو یہیں ختم کردینا بغیر اس کے کہ اندلس کے عہد زریں کی نسبت کوئی کلمہ کہا جائے ناممکن ہے۔ اندلس کا عہد زریں اپنی چند در چند خصوصیات کے باعث بغداد کے عہد سے بھی زیادہ نمایاں ہے۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ بغداد کے دور علمی وتمدنی کا حلقہ اتنا وسیع نہیں تھا جتنا کہ اندلس کے عہد زریں کا ہے۔ پھر فنی اعتبار سے بھی اندلس کو بغداد پر فوقیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ بغداد میں عربی عنصر سب سے زیادہ طاقتور اور درجۂ اول کا تھا، اس کے برخلاف اندلس میں اس عنصر کو ثانوی درجہ حاصل تھا، کیونکہ یہاں کا تمدن مختلف قوموں کی آمیزش سے مخلوط تھا، یہ عجیب بات ہے کہ شام میں بنو امیہ نے علم اور فلسفہ کی طرف اتنا اعتنا نہیں کیا جتنا اُن کے اخلاف نے اندلس میں کیا، اور اعتنا بھی کیا!

علم اور فلسفہ کو انتہائی ذروۂ کمال تک پہنچا کر ایک ترقی یافتہ تہذیب و تمدن کی اساس قائم کردی

فلسفۂ ارسطو اور یورپ

ارسطو اور ابن رشد کے عہدوں میں پندرہ صدی کا فاصلہ ہے۔ اور اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ارسطو کے فلسفہ نے ایتھنز سے چل کر اندلس تک پہنچنے میں بڑی طویل مدت لے لی لیکن ہمارا یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ اس طویل درمیانی مدت میں فلسفۂ ارسطو کو ایسے ایسے دشوار گذار راستوں سے گذرنا پڑا ہے کہ اگر مسلمان اس کی دستگیری نہ کرتے تو وہ کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا۔ یہ معلوم ہے کہ یونانی فلسفہ یونانی منطق کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا۔ لیکن رومانی شہنشاہیت سے باکثیریا کی طرف منطق کو منتقل کرنے کا سہرا عربی زبان کے ہی سر ہے۔ یہ عربی زبان ہی ہے جس کی بدولت بلادِ مغرب میں علم کی آگ بجھ جانے کے بعد پھر دوبارہ مشتعل ہو گئی۔ اس طرح گویا ارسطو کے فلسفہ نے تین رنگ قبول کیے ہیں۔ پہلا رنگ یونانی تھا، پھر مسیحی ہوا، اور آخر میں اسلامی رنگ سے رنگین ہوا، اس میں شبہ نہیں فلسفۂ ارسطو سریانی اور لاطینی زبانوں میں بھی مدون ہو چکا ہے لیکن یہ کہنا خالی از مبالغہ ہے کہ ان زبانوں میں مدون ہو کر ارسطو کا فلسفہ محض فلسفۂ ارسطو نہیں رہ سکا، بلکہ اس میں مصر، یونان، اور ہندوستان کے فلسفیانہ معتقدات بھی بہت کچھ دخل پا گئے۔ یہ فخر صرف عربی زبان کو حاصل ہے کہ وہ فلسفۂ ارسطو کو جوں کا توں محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو سکی۔ اور پھر اس نے اس کو پورے اخلاص و دیانت کے ساتھ یورپ کی طرف منتقل کر دیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عربی زبان اپنے وسیع لٹریچر کے ساتھ اپنے اندر گوناگوں خوبیاں رکھتی ہے جن کی وجہ سے آج وہ علمی دنیا کی نہایت محبوب زبان ہے۔ اور اس کی یہ محبوبیت ہی دنیا کی اور زندہ زبانوں کے ساتھ ساتھ خود اس کی زندگی کی بھی ضامن ہے۔ اس زبان نے اس حیثیت سے انسانیت کی ناقابل فراموش خدمت انجام دی ہے کہ اس نے زمانۂ قدیم کی